ملوکیت ہی ملوکیت

خلافت و ملوکیت پر ایک نظر

سید ذکی حسن جعفری

ملوکیت ہی ملوکیت

خلافت و ملوکیت پر ایک نظر

کتاب کا نام : ملوکیت ہی ملوکیت (خلافت وملوکیت پر ایک نظر)

مصنف کا نام : سید ذکی حسن جعفری

پہلا ایڈیشن : جنوری سنہ ۱۹۷۲ء، زیر اہتمام سرفراز قومی پریس، لکھنؤ

دوسرا ایڈیشن : جون سنہ ۲۰۱۰ء زیر اہتمام رضوان علی نقوی

کتابت : رضوان

طباعت : اسٹار پرنٹنگ پریس، بنارس بینک چوک، مظفرپور

قیمت : ۲۵ پچیس روپئے

ناشر

ادارۂ جعفریہ

"نشیمن" برہم پورہ، مظفرپور، بہار

انتساب

والدِ گرامی قدر

سیّد نقی حسن جعفری مرحوم

کے

نام!

سید ذکی حسن جعفری

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

آج اسلامی دنیا میں کون ہے جو مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے نام سے واقف نہیں ہے۔ جماعتِ اسلامی ہندو پاک آپ کے دم سے ہے۔ اور جب تک یہ جماعت باقی ہے مولانا کا نام بھی باقی رہے گا۔ مولانا نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا کی علمی صلاحیتوں پر تبصرہ کرنا بھی میرے لئے غلط ہوگا کیونکہ نہ مجھے عربی سے لگاؤ ہے اور نہ حدیث و تاریخ سے۔ پھر آپ کہیں گے کہ آپ نے یہ لکھنے کی ہمت کیسے کی۔ جب میں نے خلافت و ملوکیت کا مطالعہ شروع کیا جس کا تذکرہ اکثر اپنے دوستوں سے مختلف انداز سے سُن چکا تھا، تو چند باتیں خاص طور پر نظر آئیں۔

(۱) مولانا نے آیتوں اور حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے جس کے نتیجہ میں پڑھنے والا بوکھلا جاتا ہے۔ ان آیتوں کے ترجمہ کے بعد مولانا جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں ان کو میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکا۔

(۲) مولانا نے خلافت کے لئے جو اصول بتائے ہیں ان پر خلافتِ راشدہ پوری اُترتی نہیں ہے، بلکہ ان میں کافی (CONTRADICTION) یعنی تضاد ہے۔

(۳) گرچہ مولانا نے تاریخ نہیں لکھی ہے۔ جس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے مگر پھر بھی وہ چیزیں جن سے حق ظاہر ہوتا ہے ان کو عمداً چھوڑ گئے ہیں۔ غور سے پڑھنے سے

جس کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔

(۴) مولانا نے تعصب کی عینک کو بالکل نہیں اتارا ہے۔

(۵) اس تعصب کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا نے اپنی پوری کتاب میں آلِ محمدؐ کا تذکرہ نہیں آنے دیا۔ برخلاف اس کے امام ابو حنیفہ کے پورے دَور کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ آلِ محمدؐ گمراہی سے بچنے اور ہدایت کا وسیلہ ہیں۔

دو حدیثیں ملاحظہ ہوں!

(۱) انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله عترتی واهلبیتی ما ان تمسکم بهما لن تضلو بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض

صحیح مسلم ج۵ ص۱۲۲، صحیح ترمذی ج۵ ص۶۳۷

(حوالہ الشیعہ ہی اہلسنت ہیں۔ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی)

صواعق محرقہ از علامہ ابن حجر مکی الباب التاسع الفصل الثانی ص۷۵

تفسیر درمنثور از علامہ سیوطی جلد ۲ ص۶۰ مشکوٰۃ شریف جلد ۶ ص۱۳۰ باب ۴

(۲) مثل اهلبیتی کمثل سفینة نوح من رکب نجیٰ ومن تخلف عنها غرق وهویٰ

یعنی حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوح کی ہے جو بھی اس پر سوار ہوگیا اس نے نجات پائی اور جس نے بھی اسے چھوڑ دیا وہ غرق ہوا اور ہلاک ہوا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا دور ایک ہی تھا اور امام ابو حنیفہ امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے مگر مولانا نے اس پر بھی امام جعفر صادقؑ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔

(۶) مولانا نے شیعوں کے کچھ اصول بیان کئے ہیں مگر بغیر ان پر بحث کئے ہوئے غلط نتیجہ اخذ کیا ہے۔

ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے اس بات کی خواہش ہوئی کہ خلافتِ راشدہ کو مولانا کے بتائے ہوئے اصولوں پر جانچا جائے کہ آیا وہ ٹھیک اترتی ہے یا نہیں۔ شیعوں پر جو مولانا نے جگہ جگہ چھینٹے ڈالے ہیں ان کو بھی صاف کر دیا جائے، اور عقیدۂ اہلسنت کی جو توضیح مولانا نے کی ہے اس کو بھی جانچا جائے اور ان سے جو نتائج نکلے ہیں اور نکل رہے ہیں ان کو آپ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ آج کا نوجوان اس سائنس کے دور میں خیالات کی آزادی کا قائل ہے وہ خود فیصلہ کر لے گا کہ مولانا نے کہاں تک حق گوئی سے کام لیا ہے۔

والسّلام

سیّد ذکی حسن جعفری

خلافت اور اس کی حقیقت

صفحہ ۲۲-۲۳۔ مولانا نے خلیفہ کے متعلق چند آیتیں پیش کی ہیں۔ جیسے !

انی جاعل فی الارض خلیفة

اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (حضرت آدم کے متعلق ہے) اور نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ شوریٰ یا اجماع سے چنا ہوا خلیفہ ان آیتوں کا مصداق ہے۔

جتنی بھی آیتیں انہوں نے پیش کی ہیں سب میں ہے کہ "میں" یعنی اللہ! یا "تمہارے رب" نے خلیفہ بنایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ مقرر کرنے کا کام خدا خود کرتا ہے۔

مگر مولانا نے ان آیتوں سے اپنے مطلب کی بات زبردستی اخذ کی کہ اس سے شوریٰ کا چنا ہوا خلیفہ مراد ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر وہ خلیفہ جو شوریٰ، اجماع اور نامزد (NOMINATION) سب طرح سے چنا گیا۔ یعنی یزید پلید، اس کو مولانا اس کا مصداق نہیں سمجھتے ہیں۔ کیوں ؟

صفحہ ۲۵۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ خلیفہ چُننے کا کام خدا خود کرتا ہے۔ مگر مولانا، اجتماعی خلافت ہی لکھتے ہیں کہ "اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت (COMMUNITY) اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے۔" یہ نتیجہ جن آیتوں سے مولانا نے اخذ کیا ہے کسی آیت میں بھی جماعت کا تذکرہ نہیں ہے۔ آپ ایک ایک کرکے آیتوں کو پڑھیں !

وعد اللہ الذین امنو منکم وعملو الصلحت یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دین ھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدو ننی لا یشرکون بی شیئاً (سورۂ نور) (تم میں سے کچھ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو اپنی زمین پر خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا ـــ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔)

اس آیت سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ اللہ چند خاص بندوں کو (INDIVIDUAL) انفرادی طور پر چن رہا ہے جن میں کچھ صفتیں ہیں۔ اور مولانا نے یہ نتیجہ نکالا کہ "خلافت کا حامل کوئی ایک شخص نہیں ہوتا۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں " مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کرکے اپنی ریاست قائم کی ہو" اور اللہ کہتا ہے " تسلیم کرکے نہیں بلکہ عمل کرکے" اب ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ آپ غور کرسکتے ہیں۔ اور مولانا نے کس طرح سے "عمل کرنے کو تسلیم کرکے" بنا دیا۔ اصل میں عملِ صالح کی قید ہی وہ کسوٹی ہے جس پر خلافتِ راشدہ پوری نہیں اترتی ہے۔ جیسا کہ مولانا نے آگے تسلیم کیا ہے، اس لئے مولانا نے شروع ہی میں اس قید کو کاٹ دیا کیونکہ عمل کرنا اور ہے اور زبان سے تسلیم کرنا اور ہے۔

شوریٰ

صفحہ ۳۷ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں!

"وامرھم شوریٰ بینھم" (پ ۲۵، سورۂ شوریٰ آیت ۳۸) (اور مسلمانوں کا کام آپس میں مشورے سے چلتا ہے۔)

اس سلسلہ میں مولانا نے جو مطلب اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ "رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب و انتظامی معاملات تک اہل ایمان کے مشورے سے چلنا چاہیئے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے"

اب آپ قرآن کی آیت سے ملائیے اور کہیئے کہ "قطع نظر اس سے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے" جو مولانا نے بڑھا دیا وہ کہاں سے لائے۔ نہ تو انہوں نے اس کے لیئے کوئی آیت پیش کی ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی۔ اور بات کو کہاں سے کہاں لے گئے۔ دونوں میں انتخاب کے لحاظ سے کتنا بڑا فرق ہے۔ اصل میں مولانا نے دوسری اور تیسری خلافت کو بچانے کے لیئے یہ جملہ جوڑ دیا ہے جس سے ان کا تعصب ظاہر ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ "مسلمان شوریٰ" کا پورا حال آپ صلح حدیبیہ کے موقع پر دیکھ لیں۔ سارے لوگ اس صلح کے خلاف تھے۔ خود حضرت عمر سخت خلاف تھے جس کو سب تاریخوں نے لکھا ہے۔ بلکہ صحاح کی حدیثوں میں بھی ہے۔ "لوگوں کے دلوں میں امر عظیم پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں"

اس قسم کا مضمون صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۴۱ کتاب الجہاد میں ہے کہ جو

اصحابِ[۱] پیغمبرؐ صلح کو ناپسند کرتے تھے ان کے لیڈر حضرت عمرؓ تھے ۔ اور بیحد غصہ میں تھے ۔ اسی دن حضرت عمر کو پیغمبر کے "رسول اللہ" ہونے میں پورا شک ہوگیا تھا ۔

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس صلح کو پسند نہیں کرتی تھی مگر پیغمبرِ خدا نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اس طرح یہ حقیقت بھی پوری شدت اور قوت سے سامنے آگئی کہ پیغمبرِ خدا اپنے فیصلہ اور عمل میں قطعاً کسی شوریٰ یا رائے جمہور کے پابند نہ تھے ۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اہلِ حل وعقد کا خیال اور جمہور کا فیصلہ غلط تھا ' اور رسولؐ نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہی صحیح تھا اور اسلامی ترقی کے لئے فائدہ مند تھا ۔ جس کا احساس بعد میں ان حضرات کو بھی ہوگیا اور حضرت عمر اپنی زندگی کے آخری وقت کفِ افسوس ملتے تھے کہ میں کیوں شیطان کے وسوسہ کاری کا شکار ہوا ۔

اس کو شاہ عبدالحق صاحب نے بھی لکھا ہے ۔ اور اگر اب بھی آپ کی تشفی نہ ہو تو قرآن پڑھیئے ۔ جس میں اللہ نے جمہور کے فیصلہ کو غلط اور رسولؐ کے فیصلہ کو صحیح بتایا ہے اور اس فتح کو "فتحِ مبین" کہا ہے ۔ جب کہ بدر و اُحد اور خندق کی فتح کو "فتحِ مبین" نہ کہا ۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ حق تابع جمہور نہیں بلکہ جمہور کو حق کا تابع ہونا چاہیئے ۔

---

[۱] تاریخ اسلام حصہ سوئم صـــ ۱۱۳ ' امامیہ مشن ۱۹۰۸ء سید علی نقی صاحب

حضرت ابوبکر کی خلافت

صفحہ ۳۸ ۔ اولی الامر کے صفات بتاتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں ؛
(ب) یہ کہ وہ ظالم، فاسق، فاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والے نہ ہوں بلکہ ایماندار، خدا ترس اور نیکوکار ہوں ۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت یا امامت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے ۔

یہ معیار (CRITERIA) مولانا نے اپنے ذاتی خیال سے لکھا ہے اور بہت خوب لکھا ہے ۔ میں بھی اس کو تسلیم کرتا ہوں ۔ اب ذرا اس اصول پر ہم خلافتِ راشدہ کو جانچیں کہ خلیفہ اس معیار پر اُترتے ہیں یا نہیں ۔

اہلسنت حضرات کی کتابیں معارج النبوۃ، صواعق محرقہ[1] مطبوعہ مصر صہ ۱۲، تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۲ صہ ۱۹۳، مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ بمبئی جلد ا صہ ۱ اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ فدک کو اللہ نے رسولؐ کو دیا ۔ اور بحکمِ خدا رسولِ کریم نے اپنی بیٹی کو دیا ۔ جس پر ابوبکر نے قبضہ کر لیا ۔ اس کی آمدنی دس ہزار دینار سالانہ تھی ۔ اب آپ اس کو ظلم نہ کہیں گے تو اور کیا ۔ تو کیا حضرت ابوبکر اولی الامر تھے ؟

مولانا نے اس کو صفحہ ۳۹ پر بھی اس طرح لکھا ہے کہ "پس کوئی ظالم نہ تو نبی ہو سکتا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ نبی کا خلیفہ یا قاضی یا ایسا عہدیدار ہو جس کی بات ماننا امورِ دین میں لازم ہو ۔"

---

[1] فاطمہ زہرا کی سوانح عمری صہ ۲۹۹

صفحہ ۸۳۔ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں: "حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نے تجویز کیا اور مدینے کے تمام لوگوں نے (جو درحقیقت اس وقت پورے ملک میں عملاً نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے) کسی دباؤ یا لالچ کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے انہیں پسند کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

اگر مولانا کی تحریر کو تسلیم کر لیا جائے تو پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ:

(۱) کیا مدینے کے لوگوں نے (جو مولانا کے حساب سے پورے ملک کے باضابطہ نہیں عملاً نمائندہ تھے) الکشن کرا کے یہ طے کیا تھا؟

(۲) کوئی بھی طریقہ معمولی سے معمولی بھی چناؤ کا اختیار کیا تھا۔ پورے ملک کا نہ سہی، صرف مدینہ کے لوگوں میں الکشن کرایا تھا؟

(۳) پورے شہر کے لوگوں کو جمع کیا گیا تھا؟

(۴) لوگوں کو کیا اس بات کی پورے طور سے خبر تھی کہ ان کو خلیفہ کا چناؤ کرنا ہے

(۵) کیا ہر شخص کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی پسند کے آدمی کا نام خلافت کے لئے پیش کرے؟

جب یہ سب کچھ نہ ہوا۔ پھر چناؤ کیسا؟

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ مدینہ کے لوگ کس طرح سے پورے ملک کے نمائندے ہوئے؟ اس کا کوئی ثبوت مولانا نے نہیں دیا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسا چناؤ نہیں ہوتا ہے کہ ایک شہر کے چند لوگ' پورے ملک کی جگہ پر' سربراہِ حکومت کو چن لیں اور باقی سارے ملک سے زبردستی بیعت لی جائے۔

صفحہ ۶۹۔ پر پانچواں اہم قاعدہ سربراہِ حکومت چننے کے اصولوں کے سلسلہ میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"سربراہِ ریاست مسلمانوں کے مشورے اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہیئے۔" خود یہ نہیں لکھتے کہ کچھ لوگ سربراہِ ریاست کو چن لیں۔ اب آپ

فیصلہ کریں کہ مولانا کے بتائے ہوئے ہی اصول کے مطابق حضرت ابوبکر کی خلافت کیسے صحیح کہی جاسکتی ہے۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مولانا نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ "مدینہ کے تمام لوگوں نے بیعت کی" کیونکہ تاریخِ احمدی کے صفحہ ۱۰۹ پر تاریخ ابوالفداء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز زبیر و مقداد و سلمان فارسی و ابوذر غفاری و عمار یاسر اور براء ابن عاذب وغیرہ نے حضرت علیؑ کی طرف میلان کر کے حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کشی اختیار کی" یہ وہ صحابی تھے جن کی مدح رسول اللہؐ نے خود کی ہے اور شیعہ و سُنی دونوں کتابوں میں درج ہے۔

صفحہ ۳۷ - پر مولانا چناؤ کا قاعدہ کچھ مقرر کرتے ہیں اور چناؤ کو ثابت (JUSTIFY) دوسری طرح سے کرتے ہیں جو اس قاعدہ پر صحیح نہیں بیٹھتا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں "اس ریاست کا پورا کام۔ اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب ——— اور تشریعی و انتظامی معاملات تک اہلِ ایمان کے باہمی مشورے سے چلنا چاہیئے"۔

اولاً مولانا عام مسلمانوں کی بات اہلِ ایمان پر لے آئے۔ پھر بھی ان سے پوچھنا ہے کہ جن اصحابِ رسولؐ کا اوپر میں نے ذکر کیا ہے وہ اہلِ ایمان تھے یا نہیں۔

کتاب استیعاب ابنِ عبدالبرؒ میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت لی گئی تو حضرت علیؑ نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا مولانا نے یہ صحیح تحریر فرمایا ہے کہ "کسی دباؤ یا لالچ کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے انہیں پسند کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی"۔

کتبِ اہلِ سنت تاریخ ابوالفداء چھاپہ مصر صفحہ ۸ و تاریخ ابنِ جریر و تاریخ

---

[۱] جناب فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری صفحہ ۲۶۴ [۲] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری صفحہ ۲۶۵

واقدی و کتاب سقیفہ از علامہ ابوبکر جوہری، کتاب الامامت والسیاست از علامہ ابن قتیبہ دینوری اور کتاب عقد الفرید[1] از امام شہاب الدین احمد اندلسی وغیرہ میں بر سلسلۂ بیعت حضرت ابوبکر جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مختصراً خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ اور بنی ہاشم و انصار کے کچھ معزز لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا تو آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا گیا کہ کسی طرح سے حضرت علیؑ سے بیعت کرانا ہے۔ اور حضرت عمر آدمیوں کو لے کر حضرت علیؑ کے گھر پر گئے بیعت کے لئے کہا، اور انکار پر گھر میں آگ لگا دی اور جناب سیدہ جو رسولِ کریمؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں، ان کے اوپر دروازہ[2] گرا دیا۔ جس سے ان کے شکم میں جو بچہ تھا وہ شہید ہو گیا، اور زبردستی حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پاس لے گئے۔

اس بات کو امامِ اہلسنت عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل جلد ۱ مطبوعہ بمبئی ص۲۵ پر لکھا ہے کہ "حضرت عمر نے ناراض ہو کر جناب فاطمہ زہراؑ کے گھر میں آگ لگا دی اور دروازہ گرا دیا جس سے ایسی کاری ضرب لگی کہ پسلی ٹوٹ گئی اور حمل بھی ساقط ہو گیا۔"

اب کیسا رضامندی کا چناؤ تھا آپ فیصلہ کریں۔

صفحہ ۸۴۔ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر کے حق میں وصیت لکھوائی۔"

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کی وصیت تو مولانا کو یاد رہی جس کو اس کتاب میں درج کر دیا۔ مگر مولانا رسولِ کریمؐ کی اس وصیت کو لکھنا بھول گئے، جو انہوں نے حضرت علیؑ کے حق میں کی تھی۔

---

[1] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۲۷۱

[2] " " " " ص۲۷۳

اسی صفحہ پر مولانا لکھتے ہیں "حضرت ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی"۔ پھر آگے لکھتے ہیں "اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو جائے اور بدلنا بھی مشکل"۔

مشکل کس کے لئے تھی۔ اسلام کے لئے! یا اپنی جماعت کے لئے؟ کیسا چناؤ ہے کہ راتوں رات بدلنے کا خطرہ بھی گھیرے ہے اور اپنی بات ہر صورت سے منوانے کی بھی ضد ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ "یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ تم میں ابوبکر جیسی بلند و بالا اور مقبول شخصیت کا آدمی اور کون ہے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے"۔

خدارا کیا حضرت عمر کا یہ جملہ بالکل صاف نہیں بتاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت مسلمانوں کے مشورے کے بغیر ہوئی۔ اور یہ ایک سوچی سمجھی (PLANNED) چال تھی، جس کے دہرانے پر حضرت عمر قتل کی دھمکی بھی دے رہے ہیں تاکہ یہ چال ان کے خلاف استعمال نہ ہو۔

جب بات خلافت کی آگئی تو یہ بھی لکھتا چلوں کہ رسولِ کریمؐ نے اپنی زندگی میں اکثر اپنے بعد کے لئے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تھا اور یہی ڈر حضرت عمر کو گھیرے تھا۔ اس لئے مولانا صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں "حضرت عمر کو ڈر تھا کہ کہیں لوگ کوئی دوسرا فیصلہ نہ کر بیٹھیں"۔

حضرت علیؑ کے اعلانِ خلافت کا تذکرہ کتبِ اہلسنت میں بھی درج ہے۔

فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری کے ص۱۵۴ پر جناب مظفر علی خاں نے اس سلسلہ

میں ۱۹ حوالے اہلسنت کی کتابوں سے دیئے ہیں جن میں سے کچھ ہی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں!

حوالہ! (۱) تاریخ کامل جلد دوم ص۲۲

(۲) تفسیر طبری جلد-۱۹، ص۶۸

(۳) تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی ص۴۶۳

(۴) تفسیر دُرِ منشور مطبوعہ مصر جلد پنجم ص۹۷ پر جو تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے!

آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی یعنی "اے رسول آپ سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب کو ڈرائیں اور ان پر تبلیغ رسالت فرمائیں" تو حضرت نے اس حکم الٰہی کے بموجب سردارانِ قریش کی دعوت کی، اور جب سب جمع ہوگئے اور کھانے پینے سے فارغ ہوگئے تو رسول کریمؐ نے اپنی صداقت کی گواہی لے لی پھر اپنی رسالت کا اعلان کیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ میرے بعد یہ علیؑ میرا خلیفہ ہے۔

حوالہ نمبر! (۲) مقام غدیر پر حضرت رسولِ خداؐ نے خدا کے حکم سے اپنی وفات سے صرف تین ماہ پیشتر ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں حضرت علیؑ کی جانشینی، وصایت اور مولائیت کا اعلان فرمایا ہے۔ علماء اہلسنت والجماعت کی کتابوں کے حوالے نیچے دئے جا رہے ہیں۔

۱۔ تفسیر درِ منثور۔ علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص۲۹۹

۲۔ ریاض النضرہ۔ محب الدین طبری، الجزء ثانی الباب الرابع الفصل التاسع فی فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ

۳۔ مسند ابوداؤد طیالسی ص۲۳

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل الجزء الرابع ص۲۸۱

۵۔ سر العالمین ۔ امام غزالی، مطبوعہ بمبئی ص۶

۶۔ المستدرک امام حاکم الجزء الثالث ص۱۰۶، ص۱۱۰، ص۱۴۸

۷۔ قرۃ العینین، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ص۲۰۷

۸۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی اور بیسیوں کتابیں[۱]

حوالہ نمبر(۳)، عالم اہلسنت سید علی ہمدانی مودۃ القربٰی السابع میں، شیخ سلیمان الحنفی نے ینابیع المودۃ الباب الہادی والخمسون ص۲۵۳ پر، علامہ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرہ خواص الامۃ کے ص۲۶ پر لکھا ہے جس کے راوی سلمان فارسیؓ ہیں کہ "ایک دن میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے بعد آپ کا وصی کون ہوگا" تو حضرتؐ نے جواب دیا کہ دیکھو آدمؑ کے وصی شیث تھے، عیسیٰؑ کے وصی شمعون تھے اور میرے وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔"

---

[۱] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۲۰۱، باقی حوالے بھی اسی سوانح عمری میں دیکھ سکتے ہیں

حضرت عمر کی خلافت

صفحہ ۳۰-۳۱- رسولؐ کی حدیث بیان کرتے ہوئے مولانا یہ لکھتے ہیں کہ،
"خدا کا ہی یہ حکم ہے کہ رسولؐ کے امر و نہی اور ان کے فیصلے کو بے چون وچرا تسلیم کیا جائے حتیٰ کہ ان پر دل میں بھی ناگواری پیدا ہو ورنہ ایمان کی خیر نہیں ہے۔
پھر صفحہ ۳۱- پر قرآن کی آیت (النساء ۶۵) لکھتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کہ
"پس نہیں، تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے نبی) وہ تجھے اپنے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کریں"
مسلمانوں میں بہ اتفاق مانا جاتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کو رسول اللہ کی رسالت میں شک ہوا، اور دل کی تنگی محسوس کرنے کا حال کیا پوچھتے ہیں۔ اب مولانا کے بتائے ہوئے اصول پر حضرت عمر مومن رہے یا نہیں آپ غور کریں۔ حوالہ درج ذیل ہے۔
مورخ دیار بکری نے اس طرح[1] لکھا ہے:-

عن عمر انہٗ قال واللہ ماشککت منہ اسلمت الا یومئذٍ فاتیت النبی فقلت الست نبی اللہ حقاقال بلیٰ قلتُ السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلیٰ اقلت الیس

عمر کہتے ہیں بخدا جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیدا نہیں ہوا سوائے اسی دن کے۔ تو میں نے پیغمبر کے پاس آکر پوچھا، کیا آپ رسول اور ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر ہمارے شہید جنت میں اُن کے

---

[1] تاریخ اسلام۔ حصہ سوئم، جناب سید علی نقی صاحب، امامیہ مشن ۶۰۸ ص ۱۱۴

قتلانا فی الجنة وقتلاھم فی النار قال بلیٰ قلت فلم یا ابابکر الیس ھٰذا نبی اللہ حقًا۔ قال بلیٰ۔ قلت فلم نعطی الدنیة فی دنینا۔ قال ایھا الرجل انہ رسول اللہ ولن یعصیہ فاستمسك یغبرزہٖ فواللہ انہ لعلی الحق المبین۔

(تاریخ خمیس، جلد ۲، ص۳۲)

مردے دوزخ میں نہیں ہیں۔ فرمایا بے شک ہے۔ جب تشفی نہ ہوئی تو جناب ابوبکر کے پاس گئے اور پھر ان سے کہا۔ اے ابوبکر کیا یہ سچے رسول نہیں ہیں — انہوں نے کہا کیوں نہیں، میں نے کہا تو پھر ہم اپنے دین میں اس ذلت کو کیوں برداشت کریں۔ انہوں نے کہا اے مرد کہ وہ بلاشبہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور وہ اس کی ہرگز نافرمانی نہیں کریں گے۔ تم ان کا دامن تھامے رہو وہ یقیناً کھلے حق پر ہیں۔

اور جناب شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس پورے واقعہ کو فارسی زبان میں درج کیا ہے ا۔

"نقل است از عمر ابن الخطاب کہ گفت در آمد در آں روز در دل من امر عظیم مراجعت کردم با حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہرگز مثل آں نہ کردہ بودم و رفتم نزد رسول وگفتم "

(تاریخ اسلام جلد سوئم۔ مولانا سید علی نقی صاحب ص۱۱۵)

صفحہ ۴۰۔ خلیفہ کے حالات بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں ؛

(ج) وہ نادان اور جاہل نہ ہو۔ بلکہ ذی علم دانا اور معاملہ فہم ہو اور کاروبارِ خلافت چلانے کے لئے کافی ذہین اور جسمانی اہلیت رکھتے ہوں؟

اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر جاہل نہ تھے۔ مگر ذی علم ہونے پر غور کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی حدیثِ رسول کی یاد نہ تھی۔ دنیاوی کاموں میں دانا تھے مگر

لہ تاریخ اسلام ص۱۱۶

جہاں تک دینی مسئلوں کا سوال تھا ——— یہی کہا گیا کہ اکثر غلطیاں ہوئیں اور اکثر غلط فتوے دیئے۔

خود مولانا نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر تحریر کیا ہے کہ

"حضرت عمر نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ کسی شخص کو نکاح میں چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے کی اجازت نہ دی جائے ایک عورت نے انہیں ٹوکا، کہ آپ کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن ڈھیر سا مال (قنطار) کی اجازت دیتا ہے، آپ اس کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ حضرت عمر نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کیا۔"

اب آپ اس ایک واقعہ سے دیکھ لیجئے کہ حضرت عمر کا علم قرآن کتنا تھا کہ ایک عورت نے ٹوک دیا، اور وہ بھی معمولی مسئلہ میں۔ پیچیدہ مسئلوں میں کیا حال ہوا ہوگا۔

اس اصولِ خلافت کی جانچ میں ایک اور حدیث لکھتا ہوں جس کو اہلِ سنت اور دوسرے فرقہ بھی مانتے ہیں یعنی حضرت عمر برابر کہتے تھے ا

لولا علیؑ لہلک عمر

یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے۔

(حوالہ۔ کنز العمال۔ طبقات الکبریٰ وغیرہ)

صفحہ ۴۰ پر پھر مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کی آیت (سورۂ بقرہ آیت ۲۴۷) جس کا ترجمہ ہے (بنی اسرائیل نے کہا) اس کو (طالوت کو) ہم پر حکومت کا حق کہاں سے حاصل ہوگیا حالانکہ ہم اس کی بہ نسبت بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں اور اسے مال میں زیادہ کشادگی نہیں دی گئی ہے، نبی نے کہا اللہ نے اسے تمہارے مقابلے میں برگزیدہ کیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے۔

بات ظاہر ہے کہ فضیلت اس کو ہے جو علم اور جسم میں کشادگی رکھتا ہو۔

اب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کو ایک طرف رکھئے اور حضرت علیؑ کو تنہا' اور دیکھ لیجئے کہ کون شجاع اور عالم ہے اور کون میدان چھوڑ کر پہاڑوں پر بھاگتا ہے۔ علم مدینہ کا در کون ہے، اور عورت سے کون مات کھاتا ہے۔ فیصلہ آپ خود کریں گے۔

صفحہ ۶۲ پر مولانا رسولؐ کی حدیث تحریر فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم نے فرمایا "میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں جنہیں اگر تم تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت"۔

یہ حدیث دراصل اس طرح سے نہیں ہے۔ چونکہ مولانا اہلبیتِ رسولؐ سے منحرف ہیں اس لئے صرف مشکوٰۃ اور کنز العمال سے حدیث لے لی۔ اب میں صحیح حدیث جو اہلِ سنت کے بڑے بڑے علماء نے لکھی ہیں اس کا حوالہ دیتا ہوں حدیث صحیح اس طرح ہے ا۔

"انی تارک فی کم الثقلین کتاب اللہ عترتی واھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض"

(میں تمہاری ہدایت کے لئے دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہلبیت وعترت ہیں۔)

حوالہ ا صواعق محرقہ' از علامہ ابن حجر مکی الباب التاسع فصل الثانی ص۵۷

(۲) تفسیر درمنثور از علامہ سیوطی جلد ۲ ص۶۰ (۳) صحیح ترمذی جلد دوئم باب مناقب اہلبیت' (۴) مشکوٰۃ شریف جلد ۶ باب ۴ ص۱۲۰' (۵) تحفہ اثنا عشریہ باب ۴ ص۱۲۰

جن کتابوں کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے وہ سب اہلِ سنت والجماعت کی مانی ہوئی کتابیں ہیں اور دوسری جگہوں پر مولانا نے ان سے حدیثیں بھی لی ہیں، مگر یہاں پر مولانا نے ان کتابوں کو چھوڑ دیا کیونکہ تذکرہ اہلبیتؑ آجاتا۔ اس سے بالکل صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو اہلبیتِ رسولِ کریمؐ سے بغض ہے۔

حضرت عثمان کی خلافت

صفحہ ۸۵۔ مولانا حضرت عثمان کی خلافت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت خلافت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک انتخابی مجلس مقرر کی تھی جس میں چھ اشخاص تھے اور انہوں نے یہ کام صرف ایک آدمی عبدالرحمٰن ابن عوف کے حوالہ کر دیا تھا۔"

"انہوں نے عام لوگوں میں چل پھر کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عوام کا رجحان زیادہ تر کس شخص کی طرف ہے۔ حج سے واپس گزرتے ہوئے قافلوں سے بھی دریافت کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ اکثر لوگ حضرت عثمان کے حق میں ہیں۔"

یہ کیسا چناؤ ہے۔ فریب (FARCE) معلوم ہوتا ہے۔ ایک ملک نہیں بلکہ ایک براعظم کے سربراہ کا الیکشن پہلے چھ آدمیوں پر چھوڑا جاتا ہے اور پھر ایک شخص پر، اور وہ بھی چل پھر کر معلوم کرتا ہے اور خلیفہ مقرر ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۸۶۔ مولانا حضرت علیؓ کی خلافت کے سلسلہ میں طبری کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت علیؓ کے الفاظ یہ تھے۔ میری بیعت خفیہ طریقے سے نہیں ہوگی۔ یہ مسلمانوں کی مرضی سے ہی ہونا چاہیئے۔" حضرت علیؓ کا یہ جملہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ اب تک جو بھی بیعت ہوئی وہ خفیہ طور پر تھی اور مسلمانوں کی مرضی سے نہ ہوئی تھی۔

صفحہ ۱۰۶ سے ۱۱۶ تک مولانا نے حضرت عثمان کی خلافت وملوکیت کا تذکرہ کیا ہے۔ حال پڑھنے کے بعد ایسی خلافت سے گھن آتی ہے۔ ہندوستان کے غیر مسلم سربراہِ حکومت بھی ان سے غنیمت معلوم ہوتے ہیں۔ صرف شر ہی شر

کا تذکرہ ہے، خیر کا نام بھی نہیں ہے۔

حضرت عثمان نے نہ صرف اپنے زمانے میں شر کو فروغ دیا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ ایسے بدترین انسان کو لائے جن کے منافق ہونے کی سند رسولِ کریمؐ اور قرآن نے دی۔ اب بچا کیا؟

صفحہ ۱۱۶ پر مولانا لکھتے ہیں کہ "مسلمان حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھے۔" مگر صفحہ ۱۰۸ پر خود لکھتے ہیں:

"ان باتوں کا ردِّ عمل صرف عوام پر ہی نہیں اکابر صحابہ تک پر اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔"

اب آپ دونوں جملوں کو ملائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولانا برائی کو لکھ دینا بھی چاہتے ہیں اور کوشش اس بات کی کرنا چاہتے ہیں کہ آگے چل کر اس کو چھپا دیں۔ مگر دونوں باتیں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔

صفحہ ۱۱۷ پر حضرت عثمان کی بیعت کے سلسلہ میں مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ "جب حضرت عثمان کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لوگوں کو بیعت کی تجدید کے لئے پکارا تو لوگ بغاوت کے علمبرداروں کو چھوڑ کر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔"

اور صفحہ ۷۴ پر نبیٔ کریمؐ کا ارشاد ہے "تم میں سے سب سے بڑا خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے (یعنی خلافت کو) خود طلب کرے۔"

ابوموسیٰ اشعری کے ذریعہ حضرت عثمان نے بیعت طلب کی۔ اب آپ کیا کہیں گے۔

مولانا نے جو خلافت کے اصول شروع کتاب میں بیان کئے ہیں ان پر حضرت عثمان کی خلافت کو تولنے کی کبھی کوشش بھی نہ کی۔ اور تعجب اس پر ہے کہ اتنی ساری برائیوں کو لکھنے کے بعد مولانا صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں "مجموعی حیثیت

سے خیر اس قدر غالب تھا" مجھے تو کہیں اس کتاب میں حضرت عثمان سے متعلق خیر کا پتہ نہیں چلتا۔

پھر لکھتے ہیں۔" اسلام کی سربلندیوں کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا" اگر حکومت کے پھیلاؤ کا نام اسلام کو سربلند کرنا ہے تو ضرور' ورنہ نہیں۔ مولانا کبھی کبھی خود بھی ملوکیت کو خلافت میں شامل کر دیتے ہیں۔

صفحہ ۱۵۹ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں" بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کی بجائے (یزید کے بعد سے) اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی"۔

یہ یزید کے بعد کی بات نہیں ہے۔ یہ تو حضرت ابو بکر سے شروع ہوئی' سوائے حضرت علیؑ کی خلافت کے؛ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں (صفحہ ۲۵) ابو بکر صدیق چھ مہینے تک فیصلہ کرنے سے رُکے رہے جب تک اہلِ یمن سے بیعت نہ آ گئی" یعنی بیعت بعد خلافت منگوائی گئی۔ فیصلہ سے رُکے رہے خلافت سے نہیں۔

حضرت عمر تو خود (NOMINATED) نامزد تھے۔ یعنی بیعت اقتدار سے۔ حضرتِ عثمان کی خلافت کو عبد الرحمٰن بن عوف نے چل پھر کر طے کر دیا۔ یعنی بیعت بعد اقتدار ہوئی۔ اس لئے بعد میں بھی وہی ہوا جس کی ابتداء حضرت ابو بکر نے کی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلا دور رسولِ کریمؐ کے فوراً بعد کا تھا؛ اس لئے حالات کے پیشِ نظر لوگ کسی قسم کا انتشار پسند نہ کرتے تھے لہٰذا لوگوں نے ضبط سے کام لیا۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو پہلی بغاوت ہوئی اور مجبوراً بعد کے دور کے لئے مولانا کو بھی ماننا پڑا۔

مگر اب جس زمانہ میں ہم ہیں وہ ہے (FREEDOM OF SPEECH) کا' اور ہر شخص بولنے میں آزاد ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اب وہ دن دور نہیں کہ جس طرح مولانا نے حضرت عثمان کی غلطیوں کا اعتراف کیا ہے اسی طرح کوئی اہلِ سنت پیدا ہو گا جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی غلطیوں کا بھی اعتراف کرے گا۔

صفحہ ۳۲۱ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ "سیدنا عثمانؓ نے اپنے اقربا کے معاملہ میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا اس کے متعلق کبھی میرے وہم وگمان میں بھی یہ شبہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ وہ کسی بدنیتی پر مبنی تھا۔ (حضرت عثمانؓ) کا یہ خیال تھا کہ قرآن و سنت میں جس صلۂ رحمی کا حکم دیا گیا ہے اس کا تقاضا اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جو بھلائی کرنا بھی آدمیوں کے اختیار میں ہو وہ اس سے دریغ نہ کرے۔ یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی یا بہ الفاظِ دگر اجتہادی غلطی تھی۔ نیت کی غلطی تو اس وقت ہوتی جب کہ وہ اس کام کو ناجائز جانتے؛ اور پھر محض اپنے اقرباء کے مفاد کے لئے اس کا ارتکاب کرتے۔ لیکن اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ صلۂ رحمی کے حکم کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصبِ خلافت سے۔"

کیا خوب لکھا ہے مولانا نے۔ رحم آتا ہے ان کی بے بسی پر۔ نیت کی غلطی کو چھپانا مقصود ہے اور وہ بھی صلۂ رحمی کے پردے میں۔ اور وہ چھپتی نہیں، اس لئے بے بسی میں یہ لکھتے ہیں کہ "اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔"

اوپر کے جملوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا مجبوراً اجتہادی غلطی کہنا چاہتے ہیں۔ مگر ایک دم سے کہنا نہیں چاہتے ہیں اس لئے کہ آج کل کے نوجوان کا دماغ اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گا۔ اس لئے انہوں نے پڑھنے والے کے دماغ کو ڈھالنا شروع کیا (MOLD) کہ ان کی بات کو پڑھنے والے کا دماغ قبول کرے۔ اس کو علم نفسیات (PSYCHOLOGY) کے طالب علم خوب اچھی طرح سے محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح سے کہ چونکہ ایک بات ایک خلیفہ کے خلاف کہنی ہے اس لئے پہلے خلیفہ کی غلطی کو "معاذ اللہ بدنیتی" کہہ کر شروع کیا، پھر کہا "نیت کی غلطی نہیں" پھر کہا "رائے کی غلطی" اور آخر میں کہہ دیا "اجتہادی غلطی" پھر اس کو بھی خود

ہی غلط ثابت کر دیا یہ کہہ کر؛

"صلہ رحمی کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصب خلافت سے۔"

یوں کہیے کہ معاذ اللہ سے شروع کیا اور آخر میں نیت کی غلطی ہی ثابت کر کے دم لیا۔ کاش مولانا حق گوئی سے کام لے کر صاف لکھ دیتے کہ حضرت عثمان کی نیت کی غلطی تھی اور ان کو دنیا نے گھیر رکھا تھا۔ مگر کیسے کہتے؟ ہائے خلیفہ بھی تو کہنا ہے ورنہ مرید چھوڑ دیں گے۔
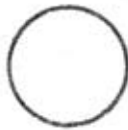
معاویہ کے حالات

صفحہ ۱۴۸۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں، "حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے اس مرحلہ میں سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ در پیش ہے۔ چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاص جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا پھر صہ ۱۵۳ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں (DYNESTIES) نے لے لی۔ اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرفِ صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے بلا شبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔"

مولانا کی اوپر کی باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ وہ شخص تھا جس نے خلافت کا جنازہ نکال دیا۔ اور ملوکیت کو جنم دیا۔ اور ایسا مستحکم کیا کہ پھر اسلام میں خلافت نہ آ سکی۔

مولانا نے خوب لکھا ہے۔ جو غلطی انسان خود کرتا ہے اس کا اثر اسی تک باقی رہتا ہے مگر معاویہ نے ایسا کیا کہ خلافت کا خاتمہ ہی کر دیا۔ شیطان نے

توصرف اتنی غلطی کی تھی کہ سجدہ سے انکار کر دیا تھا تو لعنت کا مصداق بنا، اور معاویہ نے تو انہوں نے اسلام کی تصویر کو ہی اُلٹ دیا۔ جو ظلم اسلام پر معاویہ نے کیا ہے شاید کسی نے نہ کیا ہو گا۔ افسوس اس پر آتا ہے کہ مولانا نے ایسے شخص کو بچانے کے لئے ایک صفتِ صحابیت پر (DEFEND) دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ مولانا نے سورۂ منافقون ضرور پڑھا ہو گا۔ کیا منافقین صحابیت کے شرف کے حامل نہ تھے۔ پھر اللہ نے ان پر لعن طعن میں پورا سورہ کیوں نازل کیا؟ اور دوسرے سوروں میں بھی منافقین کا تذکرہ مذمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

مولانا کو سوائے اس ایک شرف کے کوئی دوسرا شرف نہیں ملا، جو بالکل بے معنیٰ ہے۔ اور دوسری کوشش مولانا نے کی ہے "اسلام کے غلبہ کا دائرہ وسیع کیا"۔ مولانا سے اس جملے کے لکھے جانے کی امید نہ تھی۔ جب مولانا اوپر لکھ چکے ہیں کہ معاویہ نے خلافت کا خاتمہ کر دیا اور ملوکیت نے جگہ لے لی، تو پھر اسلام کے غلبہ کے دائرہ کا کیا سوال ہے۔ یہ تو حکومتِ معاویہ کے غلبہ کا دائرہ تھا جو اسلام کو ایک غلط راستہ پر لے جا رہا تھا۔

اس کو دوسرے الفاظ میں مولانا نے پھر لکھا ہے۔ "دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا"۔ جب کہ اختلاف کا جھنڈا معاویہ ہی نے اٹھا رکھا تھا۔

انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ اتحادِ اسلامی کا یہ کارنامہ امام حسن علیہ السلام کا ہے یا معاویہ کا۔ جس بات کو مولانا نے تحریر کیا ہے اسی کو ایک انگریز نے اپنی کتاب میں اس طرح لکھا ہے کہ:

"ہم لوگوں کو روم میں معاویہ کا ایک بڑا سا مجسمہ (STATUE) نصب کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ وہ واحد شخص ہے جس نے اسلام کا ایسا رُخ موڑ دیا جس سے ہم سارے لوگ مسلمان ہونے سے بچ گئے ورنہ (حضرات) محمدؐ و علیؑ نے تو ایسا اسلام پھیلایا تھا کہ چند روز میں پورا یورپ مسلمان ہو جاتا"۔

آپ نے کتاب میں معاویہ کا پورا حال تو پڑھا ہی ہوگا مگر پھر سے یاد دلانے کے لئے میں جناب حسن بصری کا خیال معاویہ کے متعلق جس کو مولانا نے ص۱۶۵ پر لکھا ہے درج کر رہا ہوں۔

"حضرت معاویہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی کرے تو اس کے حق میں مہلک ہو۔

(۱) ان کا امت پر تلوار سونت لینا۔ اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا۔ درآنحالانکہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔

(۲) ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا۔ حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا۔ ریشم پہنتا تھا اور طنبورہ بجاتا تھا۔

(۳) ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کر لینا۔ حالانکہ نبی صلعم کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں۔

(۴) ان کا حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔

مولانا نے شروع سے آخر تک معاویہ کی برائی ہی برائی لکھی ہے اور کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے۔ کہیں خیر کا نام نہیں سوائے شر کے۔ کہیں عدالت کا تذکرہ نہیں سوائے ظلم کے۔ کہیں اسلام کے کسی اصول کا تذکرہ نہیں سوائے ملوکیت کے۔ اس کے بعد بھی مولانا ان کے نام کو حضرت رضؓ کے ساتھ لکھتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ جس کے کارناموں کو پڑھ کر دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس شخص میں اسلام ذرہ برابر بھی کبھی نہ تھا اور شیطان کا غلبہ برابر تھا اسے کیونکر رضی اللہ کہیں۔ آپ ہی فیصلہ کیجئے کیا یہی انصاف ہے۔ یہی معاویہ وہ ہے جس کا باپ ابوسفیان تھا، جس کی اسلام دشمنی کو بچہ بچہ جانتا ہے اور جو برابر خدا اور رسولؐ کا دشمن رہا۔ اور معاویہ اپنے باپ کے کرتوت میں برابر کا شریک رہا۔ اس کی ماں ہندہ تھی۔ جس کا خطاب رسولِ کریمؐ کے وقت میں "ہندہ جگرخوارہ" تھا۔

اور جس نے جناب حمزہ کے قتل کے لئے انعام کا اعلان کیا، اور پھر ان کا کلیجہ چبانا چاہا! ۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکی اس لئے کہ اللہ نے اس کو پتھر بنا دیا ۔

معاویہ نے کبھی دل سے اسلام قبول نہ کیا ۔ اور وہ صرف اس واسطے زبانی مسلمان ہوا کہ حکومت حاصل ہو، جس کو اس نے (BY HOOKS OR BY COOKS) حاصل کیا ۔ اور بادشاہ کی طرح سے اسلام کے قانون کی صریحاً تذلیل کرکے حکومت کی ۔ اور اپنے بعد کے لئے بھی اپنے بیٹے کو زبردستی بادشاہ بنا دیا ۔

اس پر لعنت واجب ہے اسی طرح سے جس طرح شیطان پر ۔ ورنہ شیطان بھی قابلِ درگذر ہے ۔

فدک

صفحہ ۱۶۲۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ "اس جائداد میں فدک بھی شامل تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام خلفاء کے زمانہ میں بیت المال کی ملک رہا تھا اور حضرت ابوبکر نے اسے حضور کی میراث میں آپ کی صاحبزادی تک کو دینے سے انکار کر دیا تھا' مگر مروان بن حکم نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی ملک اور اپنی اولاد کی میراث بنا لیا"۔

مولانا کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ فدک رسول کریمؐ کی جائداد تھا۔ فدک اس جائداد میں سے تھا جو اللہ نے پیغمبرؐ کو بطریق "فے" عطا فرمایا تھا۔ اور پیغمبرؐ نے اللہ کے حکم سے اپنی بیٹی کو عطا کیا تھا۔

(کلام پاک پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۶ و پ ۲۱ سورۂ روم آیۃ ۳۸)

اس کا ترجمہ یہ ہے!

(اے ہمارے رسول) آپ اپنے قرابتداروں کو' محتاج کو اور مسافر کو جو اُن کا حق ہے ادا کر دیجئے۔ تو حضرتؐ نے فدک کو جناب فاطمہ زہراؑ کو عطا فرمایا۔

(حوالہ، صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۲ ' کتاب روضۃ الصفا جلد ۲ ص۳۵ مؤلفہ جناب محمد ابن خاوندشاہ ' تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۱۹۳ ' مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ ممبئی جلد ۱ ص۱ ' شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ ایران جلد ۲)[1]

رسول کریمؐ کے انتقال کے بعد اس پر جناب فاطمہ زہراؑ کا قبضہ بھی تھا۔ کیا یہ صحیح بات ہے کہ کسی کی ذاتی ملک کو حکم خدا اور رسول کے برخلاف بیت المال

---

[1] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۲۹۹

میں شامل کر لیا جائے۔

حضرت ابوبکر نے جب اس پر قبضہ کر لیا تو رسولِ کریمؐ کی بیٹی نے ان کے دربار میں مقدمہ کیا اور گواہ طلب کرنے پر حضرت علیؑ اور اُمّ ایمن کو پیش کیا۔ عالم اہلسنت جناب احمد ابوبکر جوہری اپنی کتاب سقیفہ میں لکھتے ہیں:

"اُم ایمن نے گواہی دینے سے پہلے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تم نے حضرت رسولؐ کی زبان سے میرے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا نہیں۔ تو حضرت ابوبکر نے تصدیق کی۔ اس کے بعد اُم ایمن نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھائی کہ رسولؐ نے اپنی بیٹی کو فدک ہبہ کیا تھا۔ مگر حضرت ابوبکر نے گواہی قبول نہ کی"

(ملاحظہ ہو امام فخرالدین رازی کی کتاب تفسیر کبیر)[1]

"کیسے صدیق تھے حضرت ابوبکر۔ رسولؐ کی حدیث یاد ہے مگر گواہی نہیں قبول کرتے"! یہ ہم نہیں لکھ رہے ہیں امام فخرالدین رازی لکھ رہے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ نبی کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ تو رسولِ کریمؐ کی بیٹی نے جواب دیا کہ قرآن کی آیت پڑھو۔ خدا فرماتا ہے!

وورث سلیمان داؤد۔ (پ ۱۹ سورۂ نحل آیت ۱۶)

(جناب) سلیمان نے (اپنے باپ) داؤد کی میراث پائی۔

رسولؐ کی بیٹی نے پھر حضرت ذکریا کی اس دعا کی تلاوت فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں پارہ ۱۶۔ سورۂ مریم کی آیت ۲ لغایت ۶ میں ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے۔ "بارِ الٰہا! مجھے فرزند عطا فرما تا کہ وہ میری اور آلِ یعقوب کی میراث لے"!

---

[1] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۳۰۱

مگر اس پر بھی حضرت ابوبکر نہ مانے۔ اور جو تحریر رسولؐ کی بیٹی نے ہبہ کے سلسلے میں حضرت رسولِ کریمؐ کی لکھی ہوئی پیش کی تھی اس کو حضرت عمر نے پھاڑ ڈالا۔

حوالہ: علامہ مجلسی علیہ الرحمہ

کیا ظلم عظیم ہے۔ اور وہ بھی کس پر۔ رسولؐ کی بیٹی اور دربارِ خلافت۔ اب آپ غور کر سکتے ہیں کہ کتنا غلط ہے یہ کہنا کہ خلافت پہلے دَور میں تھی۔ بھرے دربار میں کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت ابوبکر و عمر کی ملوکیت کے خلاف یہ پوچھتا کہ آپ کو اس تحریر کو پھاڑنے کا کیا حق ہے؟ کیا (FREEDOM OF SPEECH) بولنے کی آزادی تھی اس دورِ خلافت میں؟ کیا ملوکیت اس جبر و ظلم کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟

آگے چلئے۔ اس پر رسولِ کریمؐ کی بیٹی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے اتنا ناراض ہوئیں کہ مرتے دم تک ان سے کلام[1] نہ کیا۔ اور اپنے جنازہ پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو نہ آنے کی وصیت کر دی[2]

رسولِ کریمؐ کی یہ بیٹی کون تھی۔ وہی جس کی عصمت کی گواہی قرآن میں آیۂ تطہیر نے دی ہے۔ حضرت ابوبکر تو ہم لوگوں کے یا مصاحبوں کے صدیق تھے۔ اور یہ رسولِ کریمؐ کی بیٹی خدا کی طرف سے صدیقہ تھی۔ یہ وہ تھی جس کے آنے پر رسولِ خدا کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور رسولِ کریمؐ کی اس روش کو کون نہیں جانتا۔ اس کے علاوہ حضور کی یہ حدیث ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری پ ششم ص۳۰۴، صحیح مسلم جلد ۲ ص۹۱

[2] صحیح بخاری جلد ۳ چھاپہ مصر ص۳۸ آخر باب غزوۂ خیبر

[3] علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب جلاء العیون ص۱۷۹

نوٹ: مذکورہ بالا حوالوں کے لئے دیکھئے فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۲۰۷

فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے ۔ جس نے اس کو اذیت پہونچائی اس نے مجھ کو اذیت پہونچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہونچائی اس نے خدا کو اذیت پہونچائی اور وہ کافر و ملعون ہے۔[1]

اور انہیں سب باتوں کا اثر تھا کہ مرتے دم تک حضرت ابو بکر افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے: "کاش! میں نے فاطمہؑ کے گھر کی پردہ دری نہ کی ہوتی اور کاش میں سقیفہ میں خلیفہ نہ بنتا اور کاش میں نے خلافت کے معاملے میں جو خلافت کے اہل تھے ان سے تنازع نہ کیا ہوتا"

حوالہ! (۱) مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۱۷

(۲) تاریخ کامل و کتاب سقیفہ و کتاب الامامت والسیاست و کتاب فضائل الصحابہ از ابن سلیمان طرابلسی و معجم کبیر طبرانی و تاریخ ابن عساکر اور کنز العمال وغیرہ وغیرہ[1]

صفحہ ۱۸۶۔ حجاج سے متعلق مولانا تحریر کرتے ہیں!

"اس زمانہ میں جو لوگ قید کی حالت میں کسی عدالتی فیصلہ کے بغیر قتل گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ جب وہ مرا ہے تو اس کے قید خانوں میں ۸۰ ہزار بے قصور کسی مقدمہ اور کسی عدالتی فیصلہ کے بغیر سڑ رہے تھے"

مولانا حق کو نہ چھپاتے تو صاف صاف لکھ سکتے تھے کہ ایک لاکھ بیس ہزار اور اسّی ہزار بے قصور محبانِ اہلبیت علیہم السلام تھے۔

صفحہ ۱۸۸۔ عمر ابن عبد العزیز کے متعلق مولانا تحریر فرماتے ہیں!

"پھر وہ تمام جائداد واپس کیں جو خود ان کو ناجائز طریقہ سے وراثت میں

---

[1] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۴۸

ملی تقیس:

مولانا نے پھر حق بات کو چھپالیا اور صاف نہیں لکھا۔ کتاب سفینۃ البحار جلد ۲ ص۳۷۲ طبع ۱۳۵۵ء میں ہے کہ:

" عمر ابن عبد العزیز نے فدک جناب سیدہ کی اولاد کو واپس کر دیا اور امام محمد باقرؑ کے حوالہ کیا۔ قریش اور شام کے شیوخ نے فریاد کی کہ کیا آپ ایسا کر کے عمر و ابوبکر کو اعتراضات کا نشانہ نہیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ فاطمہؑ نے فدک کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا کہ پیغمبر خداؐ نے اپنی زندگی ہی میں مجھے دیا تھا۔ وہ خواتین جنت کی سردار ہو کر پیغمبر خداؐ پر تہمت نہیں رکھ سکتیں۔ میں ایسا کر کے خدا اور رسولؐ کے تقرب کا جویا ہوں۔ اگر میں ابوبکر کی جگہ پر ہوتا تو یقیناً فاطمہؑ کو سچا سمجھتا۔ اور ان کے دعوے کو جھٹلاتا نہیں[1]"

کاش مولانا بھی جناب فاطمہؑ کو سچا سمجھتے۔

---

[1] فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۱۳۲

شیعہ

صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۲ - مولانا نے شیعوں کے پانچ اصول گنا کر صرف ایک اصول "امامت" کے پانچ اصول تراشے ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے شیعوں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ایک معتدل شیعہ، اور ایک متشدد شیعہ اور تیسرا (زیدیہ)۔ مجھے صرف یہ ہی کہنا ہے کہ شیعوں میں ایسی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ اور مولانا نے شیعوں کے فرقہ کے بارے میں جو باتیں لکھی ہیں وہ شیعوں کی کتابوں سے نہیں لکھی ہیں۔ اس لئے وہ جو جی چاہے لکھ سکتے ہیں۔

زیدیہ تو بہر حال ایک دوسرا فرقہ ہی ہے شیعوں سے کیا مطلب۔ آپ کو دوسری کتابوں میں زیدیہ کا پورا حال مل جائے گا۔ جیسے "شیعہ کون اور کیا ہیں"۔ (مولفہ محمد باقر صاحب قبلہ مدیر اصلاح کھجوا، ضلع سارن، بہار)

مولانا نے جو پانچ اصول شیعوں کے بارے میں لکھے ہیں ان میں تو کچھ اور لکھا ہے مگر جو نتیجہ نکالا ہے وہ کچھ اور ہے۔ مثلاً ایک طرف تو شیعوں کا اصول بتاتے ہیں کہ امامت مصالح عامہ میں سے نہیں ہے۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ معتدل شیعہ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کی خلافت کو مانتے تھے کیونکہ حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تھی۔ دونوں چیزیں ممکن نہیں ہیں۔ اور یہ صریحاً غلط ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ اگر کر ہی لیتے تو حضرت عمر کو پھر جناب فاطمہؑ کے گھر میں آگ کیوں لگانی پڑتی۔ حضرت علیؑ کی گردن میں رسی کیوں باندھنی پڑتی۔ جناب فاطمہؑ پر دروازہ کیوں گرانا پڑتا جس سے حمل ساقط ہو گیا، پسلیاں شکستہ ہو گئیں اور جس سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ اگر حضرت علیؑ نے بیعت کی ہوتی تو حضرت علیؑ اس کو نہج البلاغہ میں ضرور لکھتے اور مولانا نے اس کو ضرور اپنی کتاب میں درج کیا ہوتا۔ کیا مولانا کبھی اس کو چھوڑ سکتے تھے۔ مولانا نے جو

حوالہ دیا ہے وہ نہج البلاغہ کا نہیں ہے ۔ آپ دھوکہ نہ کھایئے ۔ یہ تو ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں لکھا ہے جو مشہور عالم اہل سنت ہیں ۔ ورنہ نہج البلاغہ کا خطبۂ شقشقیہ لائق مطالعہ ہے ۔

جہاں تک شیعوں کے اصولِ دین کا سوال ہے ۔ شیعوں کے یہاں زبانی اسلام اور کھرے ایمان میں فرق ہے ۔ توحید، نبوت اور معاد کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے ۔ اور جو توحید، نبوت اور معاد کے علاوہ خدا کی عدالت اور اہلبیتِ رسولؐ میں سے ہونے والے بارہ اماموں کی امامت کا دل سے معتقد ہوگا جن کی خبر رسولِ کریمؐ اپنی زندگی میں نام بنام دے گئے تھے، وہ مومن ہے ۔ اور اس تقسیم کی بنیاد ارشادِ الٰہی ہے :

ارشاد ہے :۔ وقالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (بدوی لوگ آکر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں تو اے رسول ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ۔ ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں ۔ ایمان کا تو تمہارے دل میں گذر بھی نہیں ہوا ہے ۔)

دوسری آیت :۔ انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ والرسول ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (ایمان لانے والے تو درحقیقت وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے ۔ پھر انہوں نے کبھی شک نہ کیا اور انہوں نے راہِ خدا میں اپنے مال و جان سے جہاد کیا ۔ وہی سچے ایمان والے ہیں ۔)

تیسری آیت :۔ سورۂ انفال آیت ۲ لغایت ۴ ۔

ترجمہ ۔ مومن تو بس وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر

آتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے
آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کرتی ہیں اور
وہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، نماز کو پابندی
سے پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ
(راہِ خدا میں) خرچ بھی کرتے ہیں۔ اور وہی لوگ دراصل مومن ہیں۔

ان تین آیتوں کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام کا تعلق صرف زبان سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ایمان صرف زبانی نہیں ہو سکتا۔ ایمان قول و یقین اور عمل کا نتیجہ ہے۔ مسلمان اور مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن کے بارے میں رسولِ کریمؐ کی حدیثیں اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو کتاب "حقیقتِ اسلام اور اس کے صحیح عقائد" (مؤلفہ جناب مظفر علی خاں صاحب) کے صفحہ ۶۳ تا ۶۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شیعوں کے عقائد کے سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کو بعدِ نبیؐ اپنا پہلا امام مانتے ہیں۔ حضرت علیؑ کا وصیِ پیغمبرؐ ہونا اتنا ثابت و مسلم و مشہور رہا ہے جس سے شاید ہی کوئی ناواقف ہوگا۔ عہدِ رسولؐ سے ہی آپ کا نام پڑ گیا تھا "وصیِ رسولؐ"۔ حضرت علیؑ کے وصیِ پیغمبرؐ ہونے کے ثبوت میں بکثرت جلیل القدر علمائے دین نے بے شمار کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ ہم پہلی صدی یعنی دورِ اولِ اسلام سے چوتھی صدی تک کے ان علما کی کچھ کتابوں کے نام درج کرتے ہیں۔

حوالہ[1] ۱۔ کتاب الوصیتہ ہشام ابن حکم کی مشہور کتاب ہے۔ الوصیتہ حسین ابن سعد کی، الوصیتہ حکم بن مسکین کی، الوصیتہ علی بن مغیرہ کی وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] شیعہ کون اور کیا ہیں ص۱۲۱

شیعہ بارہ امام کو مانتے ہیں جن کے پہلے حضرت علیؑ ہیں اور آخری امام مہدیؑ ہیں۔ جن کے نام پیغمبرِ خدا نے اپنے زمانے میں خود بتا دیئے تھے۔ ہمارے آخری امام زندہ ہیں مگر ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں اسی طرح سے جس طرح سے جنابِ عیسیٰؑ جناب خضرؑ اور دوسرے پیغمبر بحکمِ خدا زندہ ہیں اور پوشیدہ ہیں۔

اس جگہ مجھے شیعوں کے اعتقاد پر مکمل بحث نہیں کرنی ہے۔ اس لئے آگے چلئے۔ مولانا صفحہ ۲۱۷ پر شیعوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ "اس ہنگامہ خیز دور میں ایک چوتھا طرزِ فکر پیدا ہوا جس کو اسلامی تاریخ میں "اعتزال" کا نام دیا گیا اگرچہ یہ پہلے تین (شیعہ، مرجیہ، خوارج (راقم) گروہوں کی طرح اس کی پیدائش خالص سیاسی اسباب کا نتیجہ نہ تھی ....

.... لیکن اس نے بھی اپنے وقت کے سیاسی مسائل میں چند قطعی نظریات پیش کئے۔"

مولانا نے صفحہ ۲۱۰ سے ۲۱۳ تک شیعوں کے بارے میں لکھا ہے، جس میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ شیعوں کی پیدائش کن سیاسی اسباب کی بنا پر ہوئی اور یہاں پر انہوں نے شیعوں کو بھی سیاسی اسباب کا نتیجہ بنا دیا۔

مولانا نے سوچا کہ اگر وہ الگ سے شیعوں کے لئے ایسا لکھیں گے تو حوالہ دینا پڑے گا اور ثابت کرنا پڑے گا جو ممکن نہیں۔ اور دو کے ساتھ تیسرے کو بھی خاموشی سے شامل کر دیں تو کون غور کرتا ہے۔ وہ دماغ پر ایک غلط اثر ڈال کر بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

اس سے مولانا کی شیعہ دشمنی ٹپکتی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شیعوں کے مسائل خالص دینی تھے، سیاسی نہ تھے۔ (سیاسی مولانا کے کہنے کے مطابق۔ ورنہ اسلام کی نظر میں سب کچھ سیاستِ الٰہی ہے۔)

صفحہ ۲۲۰۔ سوادِ اعظم کے حالات لکھتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں!

"مسلمانوں کی بمشکل ۸ - ۱۰ فی صدی آبادی اس تفرقہ (شیعہ، زیدیہ، خوارج، مرجیہ، معتزلہ اور دوسرے سوائے سوادِ اعظم کے) سے متاثر ہوئی تھی باقی سب لوگ مسلکِ جمہور پر قائم تھے۔"

پھر صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں!

"حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں اور بنی امیہ کے آغازِ سلطنت میں مسلمانوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے تھے ان سے چار بڑے فرقے وجود میں آئے۔"

ایک جگہ مولانا ۸ - ۱۰ فیصدی لکھتے ہیں اور دوسری جگہ ۴ بڑے فرقے، اب کون صحیح ہے مولانا ہی جانتے ہوں گے۔

امام ابو حنیفہ

صفحہ ۲۲۶۔ مولانا نے امام ابو حنیفہ کے مختصر حالاتِ زندگی تحریر فرمائے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا دور حجاج، خلیفہ یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک ولید بن یزید بن عبدالملک، سفاح اور منصور کا دور تھا۔ ان خلفاء کے کارناموں کو اسلام کا ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے۔ اور شرم سے شاید مولانا نے ان کے زیادہ تر حالات چھوڑ دیئے ہیں۔ حالانکہ یہ ملوکیت کی سب سے (BEST) یعنی عمدہ مثال تھے۔

یہ بد ترین خلائق تھے اور انہوں نے ظلم و جور کی انتہا کر دی تھی شراب نوشی، چھوکری بازی، قتل عام رواج بن گیا تھا۔ خلفاء کے اس دور میں جتنے شیعہ قتل ہوئے شاید اور کسی دور میں قتل نہیں ہوئے ہوں گے۔ مولانا صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے:

ان الناس اذا راوا ظالمًا فلم یاخذ وعلی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منہ۔ (نسائی کتاب البیع)

لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عذابِ عام بھیج دے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ان چھ ظالم خلفاء کا ظلم دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑا یا نہیں۔

مولانا امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک بہت بڑے بزنس مین تھے۔ اور تجارت اتنی بڑی تھی کہ کوٹھی بینک

ہوگئی تھی۔ یعنی امام ابوحنیفہ ایک (BANKER) بھی تھے۔ اور پیسہ اتنا تھا کہ مرنے کے بعد سے صرف ۸ کروڑ درہم ان کے یہاں امانتیں یعنی (FIXED DEPOSIT) تھیں۔ خلفاء کے یہاں ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ منصور ایسے ظالم و جابر کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اب اس کے مقابلہ میں منصور کا یہ جملہ دیکھئے جو اس نے ہمارے چھٹے امام جعفر صادقؑ کو ایک خط میں لکھ کر بھیجا تھا ــــــ "جس طرح دوسرے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں آپ کیوں نہیں آتے"۔

امام ابوحنیفہ تو منصور کو امیر المومنین (صفحہ ۲۴۹) کہیں۔ اور ہمارے امام جعفر صادقؑ اس کو "طاغیہ" یعنی سرکش کہتے تھے۔ اور کبھی بھی امیر المومنین کہہ کر خطاب نہ کیا۔ اب آپ نے دیکھا کہ ظالم کا ہاتھ کس نے پکڑا، اور کس نے ظالم کو عزت بخشی۔

مولانا شبلی اپنی کتاب سیرۃ النعمان کے صفحہ ۳۵، ۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

"ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت نادر باتیں حاصل کیں، شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ حضرتِ ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزندِ رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیضِ صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابنِ تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق کے معاصر اور ہمعصر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے"۔ لیکن یہ ابنِ تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے اور صاحب البیت ادری بما فیہا (گھر والے ہی خوب جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے)۔

مگر افسوس ہے اس پر کہ مولانا شبلی اتنا جانتے ہوئے بھی پیروی جناب ابوحنیفہ کی ہی کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

منصور کے ساتھ امام ابوحنیفہ کا یہ رویہ تھا۔ اور یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ (MILLIONAIRE) یعنی ارب پتی تھے۔ پھر منصور کا یہ جملہ "القینا الحب الی العلماء" (ہم نے دانے علماء کے آگے ڈالے)۔ شاید اسی دانے کا اثر تھا جس کو مولانا نے صفحہ ۲۲۷ پر اس طرح لکھا ہے؛

"منصور نے بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا، تو ابوحنیفہ کو اس کی نگرانی پر مقرر کیا، اور چار سال تک وہ اس کام کے نگراں رہے۔"

معلوم نہیں اس ٹھیکہ داری سے امام ابوحنیفہ کی دولت کو کوئی نسبت تھی یا نہیں۔ ص ۲۲۸ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ؛

"وہ کبھی کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرتے تھے"؛ کیونکہ حق بات کہنے سے منفعت پر آنچ آتی ہے۔ پھر مولانا تحریر فرماتے ہیں؛

"ان کے شاگردوں میں ایک کثیر تعداد ایسی تھی جن کے مصارف کی کفالت وہ خود کیا کرتے تھے۔"

یہ فیاضی تھی یا زرخرید افراد کی فراہمی؟ میں تو دیکھتا ہوں کہ قرآن میں کسی ارب پتی (MILLIONAIRE) کی فیاضی پر ایک آیت نہیں ہے۔ اور نہ اللہ نے کبھی ایسے لوگوں کی تعریف کی۔ البتہ یہ دیکھتا ہوں کہ تین دنوں کا فاقہ کرکے اگر کسی نے جَو کی روٹی مسکین و یتیم و اسیر کو دے دی تو اس کی مدح اللہ نے ضرور کی۔ اور پورا سورہ ہی نازل کر دیا۔ سورۂ دہر پڑھ لیجیے۔

عقیدۂ اہلسنت کی توضیح

صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۵ - امام ابو حنیفہ نے جن سوالات پر ___ اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں بحث کی ہے وہ مولانا کے نقطۂ نظر سے مختصراً یہ ہیں!

(۱) خلفائے راشدین کی پوزیشن - خلافت صحیح تھی یا نہیں - اور خلیفہ مسلمان تھے یا نہیں -

(۲) صحابہ کی پوزیشن - یعنی ان کا ذکر بھلائی کے سوا کچھ نہیں' یا ان میں سے کچھ ظالم و گمراہ بلکہ کافر تک تھے -

(۳) ایمان کی تعریف - ایمان و عمل میں کوئی لگاؤ ہے یا نہیں -

ان سوالات پر مولانا نے امام ابو حنیفہ کے خیالات لکھے ہیں جو غیر واضح بھی ہیں اور بے ثبوت بھی -

مولانا نے جو شرائط خلافت کے لئے اس کتاب کے شروع میں درج کئے ہیں ان میں سے کسی پر خلافت کو واقعات کی روشنی میں نہیں جانچا ہے - جیسا کہ میں نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کی خلافت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے - جہاں تک صحابہ کی پوزیشن کا مسئلہ تھا امام ابو حنیفہ نے بغیر کسی بحث کے (جیسا کہ مولانا نے لکھا ہے - میں نہیں جانتا کہ اصل کتاب میں کیا ہے) یہ تسلیم کر لیا کہ ان کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کیا جا سکتا ہے - آخر کیوں ؟ یہ سورۂ منافقون کس کے لئے نازل ہوا ہے' کیا یہ کافر تھے - یا رسولِ کریمؐ کے پاس بیٹھنے والے نہ تھے ؟

ایمان کے متعلق امام ابو حنیفہ کا قول مولانا صفحہ ۲۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں ؛ " ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا " پھر آگے لکھتے ہیں " عمل ایمان سے

الگ ایک چیز ہے اور ایمان عمل سے الگ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہو جاتا ہے مگر ایمان نہیں ہوتا........ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس پر ایمان واجب نہیں۔"

کیا عمل ایمان سے الگ چیز ہے۔ اس کو قرآن کی روشنی میں دیکھئے:۔

(۱) پارہ۔۱، آیت ۶۲۔ من اٰمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً (جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے)

(۲) پارہ۔۲، آیت ۱۷۷۔ "الیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہٖ ذوالقربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل وفی السائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والمو فون بعھدھم اذا عاھدو والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون ہ" (نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ پورب یا پچھم کی طرف کرلو۔ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ خدا اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور (خدا کی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی الفت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں میں صرف کرو۔ اور پابندی سے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جب کوئی عہد کیا کرو تو اپنے قول

قول کو پورا کرو۔ اور فقر و فاقہ، رنج و سختی اور گھٹن کے وقت ثابت قدم رہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔)

(۳) پارہ۔۳، آیت۔۲۷۷۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ لهم اجرهم عند ربهم ۚ ولاخوفٌ علیهم ولاهم یحزنون۔

(جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے اور پابندی سے نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی اس کے لئے البتہ ان کا اجر (ثواب) ان کے پروردگار کے پاس ہے اور (قیامت میں) نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔)

(۴) پارہ۔۳، آیت۔۱۶۔۱۷، الذین یقولون ربنا اننا اٰمنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار ۞ الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحارْ

(ہم تو دبے تامل) ایمان لائے ہیں پس تو بھی ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (یہی لوگ ہیں) صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور (خدا کے فرماں بردار۔ اور (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے والے۔ اور پچھلی راتوں میں (خدا سے توبہ) استغفار کرنے والے۔)

(۵) پارہ۔۵، آیت ۵۷، والذین اٰمنو وعملو الصّٰلحٰت سندخلهم جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهار خٰلدین فیها ابدًا (اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ہی (بہشت کے) ایسے ایسے (ہرے بھرے) باغوں میں جا پہونچائیں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اور ان میں ہمیشہ ابدالاباد تک رہیں گے۔)

(۶) سورۂ انفال، آیت ۲ لغایت ۴ ملاحظہ کریں۔

درج بالا آیتوں سے صاف واضح ہے کہ ایمان عمل کے ساتھ ساتھ ہے۔ جہاں قرآن' اللہ ایمان اور ایمان والوں کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کے عمل گنواتا جاتا ہے۔

صرف یہ چھ آیتیں نہیں ہیں' اور بھی بہت سی جگہوں پر ایسا ذکر ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی کسی ایمان والے (مومن) کا تذکرہ دیکھیں گے اسی کے ساتھ عمل کا تذکرہ ضرور ملے گا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کا یہ کہنا کہ "ایمان عمل سے الگ ہے" قرآن کے مطابق نہیں ہے۔ ایمان اور عمل کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس کا اللہ پر ایمان ہوگا اس کی گردن اس کے سامنے ضرور جھکے گی۔ اگر اللہ کا خوف دل میں ہوگا تو ہر برے کام کو کرنے کے وقت اس کو اللہ کا خوف ضرور ہوگا۔

مولانا نے امام ابو حنیفہ کے جن عقیدوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کو نیچے درج کر رہا ہوں:

(۱) ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ (صفحہ۔ ۲۳۲)

(۲) عمل ایمان سے الگ ایک چیز ہے۔ (صفحہ۔ ۲۳۳)

(۳) امت محمدؐ کے گناہگار سب مومن ہیں۔ (صفحہ۔ ۲۳۴)

ان عقیدوں کے نتائج

صفحہ ۲۲ پہلا عقیدہ ۔ ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں ۔

اب اس عقیدے کے بعد کسی صحابہ کا ذکر سوائے بھلائی کے نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ بہت سے صحابہ میں بھلائی کے ساتھ ساتھ برائی بھی تھی ۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو پھر جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں یہ منافقین کون تھے ۔ اسی عقیدے نے بڑی چھوٹ دی اور برائیوں پر پردا ڈالنے کا اچھا ذریعہ ہاتھ لگ گیا ۔ اب خیر اور شر ایک دوسرے میں ملنے لگے اور ایسا شیر و شکر ہو گئے کہ ان کو الگ الگ کرنا مشکل ہو گیا ۔

دوسرا عقیدہ ۔ عمل ایمان سے الگ چیز ہے ۔

اس پر قبل کے صفحات میں پورے طور پر قرآن کی آیتوں کے ساتھ تبصرہ کر چکا ہوں کہ یہ الگ نہیں ہیں ۔ اب صرف اس کا اثر لکھنا چاہتا ہوں ۔

جب آپ عمل اور ایمان کو الگ الگ چیز قرار دیں گے تو اس کے نتیجہ میں برے کام بڑھیں گے ۔ کیونکہ ہر برے کام کا جواب ہوگا کہ نیت ٹھیک ہونی چاہئے ، ایمان پکا ہونا چاہئے ۔ انسان سے غلطی ہوتی ہے ۔ موقع محل کی مجبوری سے سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے ۔ یہ سب باتیں اس لئے پیدا ہوئیں کہ آپ نے ایمان اور عمل کو الگ کر دیا ۔

تیسرا عقیدہ ۔ امتِ محمدؐ کے گناہگار سب مومن ہیں ۔

اس عقیدہ نے رہا سہا جو گناہ کا خوف تھا اس کو بھی دلوں سے نکال دیا ، بلکہ گناہوں کا راستہ ہموار کر دیا ۔

ایمان اور عمل الگ الگ ہو گئے۔ کسی کا ذکر بھلائی کے سوا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ گناہوں کے باوجود سب کے سب مومن ہیں۔ نتیجہ ان تینوں عقیدوں کا یہ ہوا کہ برائی بری طرح پھیلنے لگی اور جو اسلام رسول اللہؐ کے وقت تھا وہ نظر نہیں آتا۔ اور اس پر لطف یہ کہ ان سب باتوں پر امام (ابوحنیفہ) کی سند بھی موجود ہے۔

ان ہی عقیدوں کے خود مولانا نے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان کو ط۲۳۶ پر اس طرح التحریر کرتے ہیں!

"اس طرح امام (ابوحنیفہ) نے شیعہ و خوارج اور معتزلہ و مرجئہ کی انتہائی آراء کے درمیان ایک ایسا متوازن عقیدہ پیش کیا جو مسلم معاشرہ کو انتشار اور باہمی تصادم و منافرت سے بھی بچاتا ہے"

میرے خیال میں امام ابوحنیفہ نے ایسا متوازن عقیدہ نہیں نکالا جو انتہائی آراء کے درمیان معتدل ہوتا' بلکہ حق اور ناحق اور اسلام و کفر کو ایک کرنے کا راستہ ضرور پیدا کر دیا۔ اب کیا ہوگا آپ خود دیکھیں۔

اور امام ابوحنیفہ نے اس راستہ پر خود چل کر بھی دکھا دیا۔ وہ بھی مذہبی رہنما تھے اور منصور ایسے ظالم بادشاہ کو امیر المومنین بھی کہتے تھے' برابر کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اور اس کے یہاں کام بھی کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے امام بھی تھے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے عقیدہ کو کون پسند نہیں کرے گا جس میں جنت بھی ملے اور دستر خوان بھی۔ یہ تو آج کل کی سرکاری نوکری ہو گئی کہ سرکار کے بھی وفادار ہیں اور پیسہ بھی کما رہے ہیں۔ دونوں ہاتھوں میں لڈو والا عقیدہ کون نہ پسند کرے گا۔ اور خاص کر جاہل مسلمان۔ البتہ اگر یہ عقیدہ شیعہ سے منوائیے گا تو وہ نہ مانے گا' بلکہ کہے گا کہ میرا امام تو فاقوں میں بسر

کرتا تھا۔ بیفکر نہیں تھا۔ اس نے دنیا کو تین مرتبہ طلاق دی تھی۔ مجھ کو دنیا نہیں چاہیئے۔ مجھے صرف حکم خدا اور رسولؐ پر عمل کرنا ہے۔ چاہے دنیا ملے یا نہ ملے۔

آج سوادِ اعظم کی تعداد بتلاتی ہے کہ انہیں عقیدوں نے کافی لوگوں کو اس مذہب پر جمع کیا۔ اس سے زیادہ آسان دوسرا مذہب کہاں ملے گا۔

اب اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کرنا ہے کہ مولانا نے جو شیعوں کو غلط طور پر انتہا پسندوں میں شامل کیا ہے اس کی وجہ نہیں نظر آتی ہے۔ اس لیئے کہ شیعوں کے بارے میں مولانا نے ص ۲۲۰ سے ط ۲۳۶ تک اپنے خیالات لکھے ہیں اس میں کہیں بھی شیعوں کی انتہا پسندی اور افراط کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ مگر یہاں پر آکر انہوں نے شیعوں کو بھی شامل کر دیا۔ کیا یہی انصاف ہے۔

صفحہ ۲۴۸ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں!

"ابن حزم کا بیان ہے "تمام اصحابِ ابو حنیفہ اس پر متفق ہیں کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے"۔"

اسی سلسلہ میں میں بھی ایک حدیث لکھتا ہوں۔ امید ہے تمام اصحابِ ابو حنیفہ اس پر متفق ہوں گے۔ اور قیاس اور رائے کو چھوڑ کر اس کو تسلیم کرلیں گے۔

(۱) عالمِ اہلسنت عالی جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالتہ الخفا مقصد دوئم ص ۱۳۴، نیز مسند امام ابو حنیفہ میں بھی درج ہے کہ" باوجودیکہ کئی دفعہ آیاتِ قرآن، شراب پینے کی ممانعت میں نازل ہو چکی تھی، لیکن حضرت عمر نے ان کے بعد بھی شراب پی اور نشہ کی حالت میں

اونٹ کے کجاوہ کی ہڈی اٹھا کر عبدالرحمٰن بن عوف کے سر پر اس زور سے مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا اور اول فول بکنے لگے، اور حد یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ پر بھی لعن طعن کرنے لگے۔[1]

(۲) سوادِ اعظم کے عالم ملّا علی متقی نے اپنی کتاب کنز العمال میں، کتاب الصوم میں بروایت سعید ابن مسیب لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حالتِ صوم میں اپنی کنیز کے ساتھ جماع کیا اور خود اس کا اقرار کیا۔[2]

(۳) حضرت عمر نے ایک نیا طریقہ شراب خواری کا ایجاد کر کے لوگوں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت دے دی۔ جو قرآنِ مجید اور احکامِ رسولؐ کے بالکل خلاف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہو۔ مگر قرآن اور مذہبِ اسلام کے احکام کے تو بہر حال خلاف ہے۔ واقعہ سوادِ اعظم کی کتاب مسند ابو حنیفہ میں اس طرح درج ہے:۔

"عمر کی خلافت کے دوران میں کچھ لوگ ایک اعرابی کو اس طرح پکڑ کر ان کے پاس لائے کہ نشہ میں وہ چور تھا۔ حکم دیا اس کو قید کرو۔ جب ہوش آئے گا تو حد جاری کی جائے گی۔ پھر حضرت عمر نے اس کی استعمال شدہ شراب منگائی، اس میں پانی ملا کر اس کا نشہ کم کیا۔ خود بھی پی دیگر جو آدمی پاس بیٹھے تھے ان کو بھی پلائی۔ اور پھر بطورِ نصیحت کہا کہ اگر شیطان غالب ہو کر شراب خوری پر مجبور کرے تو پانی ملا کر اس کا نشہ کم کر لیا کرو۔"[3]

---

[1] فاطمہ زہرا کی سوانح عمری ص ۱۴۲

[2] ، ، ، ص ۱۴۲ ، [3] ایضاً ص ۱۴۲

صراطِ مستقیم

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ہ

(تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔ ان کی راہ پر جن پر تو نے (اپنی) نعمت عطا کی ہے۔ نہ کہ ان کی راہ پر جن پر تیرا غضب ڈھایا گیا۔ اور نہ گمراہوں کی۔)

خداوند عالم نے اس سورہ سے قرآن کو شروع کیا ہے۔ جو اس کی پوزیشن ہے۔ غرض کہ شروع اسی سے کیا اور روزانہ نمازوں میں اس کا پڑھنا فرض کیا۔ اور ہم اس رحمٰن و رحیم کی بتائی ہوئی دعا کو روزانہ کتنی بار پڑھتے ہیں۔ مگر آپ نے غور کیا۔ یہ صراطِ مستقیم ہے کیا؟ اور اللہ نے کیوں اتنا زور دیا اس پر؟ بالکل کامن سنس کی بات ہے کہ اگر راستہ آپ کا ٹھیک ہے تب تو آپ جگہ پر پہونچ جائیں گے۔ ورنہ آپ اپنی دولت لٹا دیجیے، اور مسافت میں برسوں گزار دیجیے، پوری محنت کیجیے، مگر جگہ پر نہیں پہونچ پائیں گے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کا معیّن ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے کہ راستہ صحیح ہے یا نہیں۔

یہ صراطِ مستقیم ہے کیا؟ کوئی نہیں بتاتا۔ میں تو ان سے پوچھتا ہوں جن کے گھر میں قرآن اترا۔ جو دن رات رسولِ کریمؐ کے ساتھ تھے۔ اور قرآن اپنی تفسیر کے لئے جن کا محتاج ہے۔ غرض کہ صراطِ مستقیم رسولِ کریمؐ حضرت فاطمہ زہرؑا اور بارہ امام ہیں۔ یہ ان ہی کی بتائی ہوئی راہ ہے جس پر چلنے کی ہم روز دعا کرتے ہیں اور یہ ان ہی کے دشمن ہیں جن سے ہم برائت چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پارہ ۲۵ سورہ الزخرف کی آیت - ۱۶ ملاحظہ کریں۔

"وانہٗ یعلم للساعۃ فلا تمترن بھا واتبعون هٰذا صراط مستقیم ٥"

(اور وہ (یعنی عیسٰی) تو قیامت کی ایک علامت ہیں۔ سو تم ان کے بارے میں قطعی شک نہ کرو۔ اور جو میں کہتا ہوں اسے مانو، یہی سیدھا راستہ ہے۔)

نزولِ حضرت عیسٰی منجملہ علاماتِ قیامت کی ایک علامت ہے اور علامہ ابنِ حجر نے صواعق محرقہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ آیت امام آخر الزمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جس نے بھی اس صراطِ مستقیم کو چھوڑا اس نے اسلام کو صحیح طور پر نہ پایا۔ آپ جتنی بھی دولت اسلام پر قربان کر دیجیے اور جتنی بھی محنت اس پر کیجیے، مگر پہلے یہ دیکھ لیجیے کہ آپ صحیح راستہ پر ہیں؟ ورنہ سب بیکار۔

ہم قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ صحیح باتیں اسی سے ملیں گی۔ مگر اس کو ہم کس سے سمجھیں۔ آپ کہیں گے کہ پڑھ کر سمجھ لو۔ میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ایک عبارت کے کئی ایک معنی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ ہم آپ اس کو روز دیکھ رہے ہیں۔ دنیاوی کتابوں کے ایک ایک جملہ کے کتنے کتنے معنی نکالے جاتے ہیں۔ قانون ہم روز بناتے ہیں اور وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے جملوں کے جو معنی سمجھے تھے، دوسرے نے اس کے دوسرے معنی پیدا کر دیئے اور پھر ہم اس قانون کا (AMMENDMENT) کرتے ہیں۔ صحیح معنی وہی بتا سکتا ہے جس نے عبارت لکھی ہو۔ قرآن کے صحیح معنی سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کے دروازہ پر جائیں جہاں نبی کریمؐ جانے کو کہیں۔ نہ کہ قرآن کے معنی ان سے لیں جو اپنی قابلیت کی بنا پر معنی بتانا چاہتے ہیں۔ یہی وہ بھاری غلطی ہے جس سے

اسلام میں آج اتنے فرقے نظر آتے ہیں۔ ہر شخص نے اپنے ڈھنگ سے قرآن کے معنی نکالے ہیں۔

رسولِ کریمؐ نے اپنا حق پورا کر دیا اور اچھی طرح بتا دیا کہ ہمارے اہلبیتؑ اور قرآن کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر ہم سے ملیں گے۔ رسولؐ کی حدیث "انی تارک فی کم الثقلین ..... الخ مع حوالے لکھ چکا ہوں۔

پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے قرآن تو لے لیا اور اہلبیتؑ کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے الفاظ ان کے ہاتھ آئے اور معنی نہ ملے۔ جن سے قرآن سمجھنے کا حکم اللہ اور رسولؐ نے دیا۔ جو بابِ مدینۂ علم تھے۔ جو راسخونَ فی العلم تھے۔ ان سے قرآن لینے کی کوشش نہ کی، برخلاف اس کے جو دشمنِ اہلبیتؑ مشہور تھے ان سے حدیثیں لیں۔ آپ پوری کتاب کا مطالعہ کر جائیے اور بخدا انصاف سے بولئے کہیں سے بوئے ولائے اہلبیتؑ ملتی ہے۔ کہیں ان کا تذکرہ ہے۔ کوئی حدیث ان سے لی ہے بلکہ اس کے برخلاف درپردہ الفاظ کے اندر سے کبھی کبھی دشمنیٔ اہلبیتؑ جھلک پڑتی ہے۔

اہلبیتِ رسولِ کریمؐ کے متعلق اللہ، رسولِ کریمؐ، امام و علمائے اہلسنت والجماعت کیا کہتے ہیں۔ ذیل میں درج کرتا ہوں۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں۔

ارشادِ باریٔ تعالیٰ ہے!

(۱) قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ ۰

(فرما دو اے میرے حبیبؐ کہ میں تم سے رسالت کی اجرت نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرنا۔

رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے!

(۲) مثل اھلبیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ و
من تخلف عنھا غرق وھویٰ ۔
(میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی ہے جو اس میں سوار ہوا
نجات پائی اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ڈوبا اور ہلاک ہوا)
مولانا نے خلافت وملوکیت اس کشتی میں بیٹھ کر نہ لکھی ۔
(۳) شاہ عبدالعزیز صاحب ناقل ہیں کہ رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے !
من مات وھو مبغض کآل محمد دخل فی النار
وان صلیٰ وصام ۔
(جو شخص اس حال میں مرگیا کہ وہ آلِ محمدؐ سے دشمنی رکھتا تھا
تو وہ چاہے نماز پڑھتا ہو یا روزہ رکھتا ہو، دوزخ میں ڈال
دیا جائے گا ۔)
طبرانی اور حاکم دونوں اس روایت کو بیان کرتے ہیں ۔ اور طبرانی
میں یہ روایت بھی ہے !
(۴) من ابغض اھل البیت فھو منافق ۔
(جس نے اہلبیتؑ سے بغض رکھا وہ منافق ہے)
" لا یبغضنا اھل البیت احد و ولا یحسدنا
احد الا ذود یوم القیامۃ من الحوض بسیاط
النار ۔
(تم میں سے) جو کوئی بھی ہم اہلبیتؑ سے بغض وحسد رکھے گا
قیامت کے دن اس کو آگ کے کوڑے مار کر حوضِ کوثر سے
بھگا دیا جائے گا ۔)
ترمذی نے "نوادر الاصول فی اخبار الرسول" میں مقداد ابنِ اسود

سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا :

(۵) معرفۃ آل محمد براءۃ من النار وحبّ آل محمد جواز علی الصراط و ولایت آل محمد امان من العذاب ۔

(یعنی آلِ محمدؐ کی معرفت آگ سے برائت ہے ۔ اور آلِ محمدؐ سے محبت صراط سے گزرنا ہے اور آلِ محمدؐ سے دوستی عذاب سے امان اور حفاظت ہے ۔)

(ترجمہ تحفۂ اثناعشریہ ص ۱۲۵)

یہ روایات شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثناعشریہ میں لکھی ہیں جو شیعوں کے خلاف لکھی گئی کتابوں میں بے حد مشہور ہے ۔ افسوس تو اس پر ہے کہ سوادِ اعظم محبتِ اہلبیتؑ کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان سے کوئی واسطہ بھی نہیں رکھتے ۔ مولانا کا بھی یہی حال دیکھ لیجئے کہ پوری کتاب میں نہ تو کہیں اہلبیتؑ کا تذکرہ کیا اور نہ ان سے کوئی حدیث ہی لی ۔

حضرت ابوبکر نے جو عداوت رسولِ کریمؐ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ کی تھی اور فدک کو غصب کیا، اس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں ۔ حضرت عمر نے جو جرأت دکھلائی اور جنابِ سیدہ کے گھر میں آگ لگائی .... اور ان کے اوپر دروازہ گرایا اس کا حال آپ نے پڑھ لیا ۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ آپ کو معلوم ہی ہے ۔

میں اس سلسلہ میں دو ایک اور حدیثیں نقل کر رہا ہوں تاکہ آپ کے دل کو یقین آجائے کہ محبتِ علیؑ و فاطمہؑ اور آل ہی صراطِ مستقیم ہے ۔ جس نے ان کے راستہ کو اپنایا وہ کامیاب ہوا، اور وہ امید کر سکتا ہے کہ روزِ محشر رسولِ کریمؐ کی شفاعت حاصل ہوگی ۔

(۱) جناب سلیمان الحنفی نے ینابیع المودۃ الباب السادس والخمسون کے ص۲۵۲ پر، و عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب ارجح المطالب کے ص۱۵۱ پر، اور علامہ جلال الدین سیوطی نے احیاء المیت بر حاشیہ کتاب الاتحاف ص۱۱۱ پر، و نیز اخطب خوارزمی نے اپنی کتاب المناقب میں یہ حدیث لکھی ہے کہ رسول کریمؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اسلہ (فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری ص۵۰۲)

"اگر کسی شخص نے خدا کی عبادت اتنے عرصہ تک کی ہو کہ جتنی مدت حضرت نوحؑ اپنی قوم میں رہے، اور اس کے پاس سونا کوہِ اُحد کے وزن کے برابر ہو، اور وہ سب راہِ خدا میں صرف کر دے اور اس نے پا پیادہ ایک ہزار حج بھی کئے ہوں اور وہ صفا و مروہ کے درمیان جب کہ وہ سعی کر رہا ہو، مظلوم قتل کر دیا جائے لیکن اگر اس کے دل میں علیؑ کی محبت نہ ہو گی تو وہ جنت کی خوشبو کبھی نہ سونگھے گا۔ اور جنت میں داخل نہ ہو گا۔"

اگر آپ کو یہ بات ماننے اور یقین کرنے میں دشواری ہو رہی ہو تو اس کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ اگر ایک شخص وہ سب کام کرے جو اوپر حدیث میں لکھا ہے اور حضرت محمدؐ کو رسول نہ مانے تو کیا جنت کی خوشبو سونگھے گا۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو یہ رسولِ کریمؐ کے وصی کے بارے میں بھی ممکن ہے۔

کتب اہلسنت والجماعت میں اسی طرح کی سیکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ آپ کی تشفی کی غرض سے چند حدیثیں اور نقل کرتا ہوں۔ زیادہ ضخیم اس کتابچہ کو نہیں بنانا چاہتا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ موٹی موٹی کتابوں کو پڑھ سکے۔

(۲) سید علی ابن شہاب ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اور امام محمد ابن عیسیٰ ترمذی نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں لکھا ہے کہ حضرت رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ:

"علم کے دس حصے کئے گئے ہیں جن میں سے نو مجھے اور علیؑ کو عطا ہوئے اور دسویں حصے میں تمام دنیا شریک ہے۔ اور اس دسویں حصے میں بھی میں اور علیؑ شامل ہیں۔"

اب اگر آپ قرآن اور اسلام کو اللہ جس طرح چاہتا ہے اُس طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ سے لیجئے اور ادھر اُدھر نہ جائیے۔

(۳) جناب علی متقی نے کنز العمال الجزء السادس ص۱۵۳ پر اور علامہ ابنِ حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ص۷۵ پر، اور شیخ سلیمان الحنفی نے ینابیع المودۃ میں ص۲۸ پر، لکھا ہے کہ:

"حضرتِ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ میری امت کے واسطے علیؑ بابِ حطہ (کے مثال) ہیں۔ پس جو اس میں داخل ہوا، (یعنی جس نے ان کے آگے سر تسلیم خم کیا اور ان سے متمسک ہوا) وہ مومن ہوا" اور جس نے ان سے انحراف کیا وہ کافر ہو گیا۔"

(۴) علمائے اہلِ سنت میں سے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اور امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اور امام محمد بن عیسیٰ ترمذی نے اپنی کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اور جناب شاہ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اور امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بہ ذیلِ ذکر جناب فاطمہ زہرا التحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت رسولِ کریمؐ نے فرمایا! فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا

ہے جس نے اسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت پہونچائی اور جس
نے مجھے اذیت پہونچائی اُس نے خدا کو اذیت پہونچائی اور جس
نے خدا کو اذیت پہونچائی وہ کافر و ملعون ہے۔"

اب آخرِ کلام میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صراطِ مستقیم بس یہی افراد ہیں یعنی حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ اور ان کی اولاد۔

آپ سے صرف اتنی گذارش ہے کہ اگر صحیح اسلام کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اِن کے ذریعہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ بغیر ان کی محبت کے آپ اجرِ رسالت نہیں ادا کر سکیں گے۔ اور اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ ایسے اصحابِ رسولِ کریم کے ساتھ آپ کون سا طرزِ عمل اختیار کریں گے جنہوں نے جنابِ فاطمہ زہرؑا اور ان کی اولاد پر ظلم کیا۔ ان سے نفرت نہ کرنے میں جنابِ فاطمہ زہرؑا کی ناراضگی کا خطرہ ہے۔ اور ان کی ناراضگی کے بعد مشکل ہی مشکل ہے۔ فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے کہ آپ ان کے ستانے والوں سے ہمدردی اور حسنِ عقیدت رکھیں یا نفرت اور بیزاری اختیار کریں۔ فیصلہ کے وقت صرف اتنا یاد رکھیں گے کہ فیصلہ کی جانچ ہم آپ کو نہیں کرنا ہے۔ بلکہ وحدہٗ لاشریک کون و مکاں کا مالک کرے گا جو آپ کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ زندگی چند روزہ اور ختم ہو جانے والی ہے۔ اور آنے والی زندگی دائمی ہے، چاہے جنت میں بسر ہو یا دوزخ میں۔

سید ذکی حسن جعفری
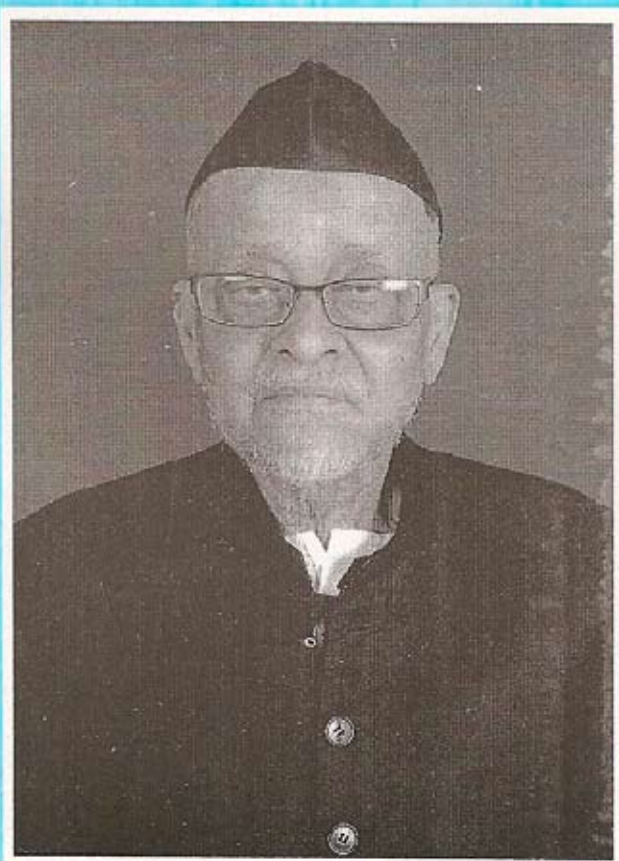
S.Zaki Hasan Jafri

B.sc (Eng), ME (P.H.)
RTD. CHEIF ENGINEER
Ex. Chairman Shia Waqf Borad Bihar
Ex. Vice President B.E.S.A.
Nasheman, Berhampura
Muzaffarpur
CELL : 09431238485